

مکالمہ میں المذاہب

سید جلال الدین عمری

آج کل 'مذاہب' کے درمیان مکالمہ (dialogue) کا خاص چرچا ہے۔ اس کا مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مذاہب کے درمیان قربت بڑھے، غلط فہمیوں کا ازالہ ہو، ان کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ دُور ہوں اور وہ ایک دوسرے سے قریب آئیں۔ اس سلسلے میں مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان تبادلہ خیال ہو رہا ہے۔ مذاکرے اور یہی نار ہو رہے ہیں اور بھی مختلف سطھوں سے کوشش ہو رہی ہے۔ اس تگ ودو کے پیچھے جو ذہن کا فرمایہ ہے کہ مذاہب کے درمیان اختلافات حقیقی نہیں ہیں، سب کی اصل ایک ہے، سب روح کی تیکین اور اپنے خالق و معبدوں کی رضا چاہتے ہیں۔ انسانوں کی بھلائی اور خیرخواہی ان میں سے ہر ایک کے پیش نظر ہے۔ ظلم و زیادتی اور جبر و تشدد کو سب ہی غلط باور کرتے ہیں اور ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کا رو یہ اختیار کرنا چاہتے ہیں، ان کے درمیان بناۓ اختلاف کم ہے اور اتحاد کی بنیاد میں زیادہ ہیں۔ یہ بات جب بڑھتی ہے تو وحدتِ ادیان کے تصور تک پہنچتی ہے کہ منزل سب کی ایک ہے، البتہ راہیں جدا ہیں۔ اسی کی تبلیغ و اشاعت کے لیے یہ کوششیں ہو رہی ہیں۔ یہ ایک مہمل اور بے بنیاد تصور ہے۔ جو لوگ وحدتِ ادیان کی بات کرتے ہیں وہ ان کی بنیادی تعلیمات سے صرف نظر کر رہے ہیں۔

مذاہب کے درمیان اختلاف

یہ ایک حقیقت ہے کہ مذاہب کے درمیان اختلافات ہیں اور بنیادی اختلافات ہیں، اس لیے ان کو ایک زمرے میں نہیں رکھا جاسکتا۔ یہ فرق اسلام اور دوسرے مذاہب کے مطالعے سے سمجھا جاسکتا ہے۔

اس محاذی میں اسلام کا موقف یہ ہے کہ اسلام ہی ہمیشہ سے اللہ کا دین رہا ہے، اسی کی تعلیم ہر دور میں ہر پیغمبر نے دی، لیکن ان کی تعلیم اصل شکل میں باقی نہیں رہی، زمانہ گزرنے کے ساتھ ان میں تحریف ہوتی چلی گئی۔ اللہ کا یہی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری بار نازل ہوا۔ آپ سلسلہ رسالت کی آخری کڑی ہیں۔ آپ پر جو کتاب نازل ہوئی وہ قرآن مجید ہے اور وہ پوری طرح محفوظ ہے۔ آپ کی سیرت اور قول عمل سے اس کی تشریع ہوتی ہے۔ اب دنیا و آخرت کی فوز و فلاح اسی کتاب سے وابستہ ہے، اس کا کوئی دوسرا استہ نہیں ہے۔ یہ باقی قرآن مجید میں بڑی وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہیں۔ ارشاد ہے:

فُلْ يَايَهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (الاعراف ۷: ۱۵۸) (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف رسول بننا کر بھیجا گیا ہوں۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَةً لِلنَّاسِ يَشِيرُوا وَ نَذِيرُوا وَ لِكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (السبأ: ۳۳-۲۸) ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بیشہ و نذر بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری رسول اور خاتم النبیین ہونے کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَ لِكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيِّنَ وَ كَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ (احزاب: ۳۳-۳۰) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین، یہیں اور اللہ ہر چیز کا جانے والا ہے۔

دنیا کے تمام انسانوں کو آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی اور کہا گیا کہ اسی میں خیر ہے۔ کفر کا راستہ اختیار کر کے انسان اللہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، خود ہی نقصان میں رہے گا:

يَايَهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَامْنُوا خَيْرًا لَكُمْ وَ إِنْ تَكُفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ طَ وَ كَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ (النساء: ۲۰-۱۷) اے لوگو! تمہارے پاس رسول (صلی اللہ علیہ

وسلم) تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر آگیا ہے۔ پس تم (اس پر) ایمان لے آؤ، اسی میں تمہارے لیے خیر ہے لیکن اگر کفر کرو گے تو (یاد رکھو) کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ جانے والا اور حکمت والا ہے۔

نمہب کے اساسی عقائد کا انسان کی پوری زندگی پر اثر پڑتا ہے۔ اس سے پورا نظام عمل اور طریقہ حیات وجود میں آتا ہے۔ ہر نہب کی عبادات اس کے عقیدے کی تابع ہوتی ہیں۔ عقیدے کی بنیاد پر تہذیب و معاشرت وجود میں آتی ہے۔ اسی کے تحت شادی بیان، پیدائش اور موت تک کے رسوم انجام پاتے ہیں۔ کاروبار اور لین دین کے طریقے اور مختلف افراد اور طبقات کے حقوق و فرائض طے ہوتے ہیں۔ اسی طرح نہب عقیدہ کے ساتھ اس سے ہم آہنگ اخلاقیات اور قانون بھی رکھتا ہے۔ اسے اس کا 'نظام شریعت' کہا جا سکتا ہے۔ اسی سے اس کی انفرادیت قائم ہوتی ہے اور وہ پہچانا جاتا ہے۔

قرآن مجید کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو اصولی دین کے ساتھ حسب حال اور حسب ضرورت شریعت اور قانون بھی دیا تھا۔ اس نے مختلف موقع پر توریت اور انجلیل کے بعض قوانین کا ذکر بھی کیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے اور جن کی پابندی کا ان سے عہد لیا گیا تھا۔ اس نے بعض دوسرے پیغمبروں کی شریعتوں کا بھی حوالہ دیا ہے۔ یہ شریعتیں اپنے وقت اور ماحول کے لیے تھیں۔ آخری رسول اور آخری شریعت کے آنے کے بعد وہ منسوخ ہو گئیں۔ مذاہب کے ماننے والوں کو وہ بھی زندگی میں اپنی شریعت پر عمل کی اجازت دیتا ہے، لیکن اپنے دائرہ اختیار میں آخری شریعت کو نافذ کرتا ہے:

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأُمُرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبَعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (الجاثیہ: ۲۵) (اے نبی!) ہم نے آپ کو دین کے معاملے میں ایک شریعت دے دی۔ اب آپ اس کی اتباع کریں اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں جو جانتے نہیں ہیں۔

احسن انداز میں مباحثہ

نداکرہ یا مباحثہ دو مقاصد کے تحت ہوتا ہے۔ ایک مقصد ہے حق و صداقت کی تلاش،

بحث و تجھیص کے ذریعے 'حق' کو جانے کی کوشش۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ نظریات اور عقائد کی صحت و عدم صحت سے بحث نہ کی جائے، بلکہ یہ دیکھا جائے کہ وہ کون سی مشترک اقدار ہیں جن پر سب کو اتفاق ہو سکتا ہے۔ اسلام اس مجادلہ کا قائل نہیں ہے۔ وہ ایک دعوت ہے اور بحث و مباحثے کے ذریعے اس کی حقانیت واضح کرنا چاہتا ہے۔

قرآن مجید کا براہ راست خطاب مشرکین عرب اور اہل کتاب سے تھا۔ سورہ خل میں مشرکین عرب کے سیاق میں حکم دیا گیا:

أُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلُهُمْ بِالْيَقِينِ
هِيَ أَحْسَنُ طَرَيْرَبَكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ
بِالْمُهَتَّدِينَ ۝ (النحل: ۱۲۵)

ایت ۱۲۵ میں اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت و
حکمت اور عدمہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کروالیے طریقہ پر جو بہترین ہو۔
تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہ
راست پر ہے۔

اس آیت میں صاف الفاظ میں اللہ کے راستے کی طرف بلانے، یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کی دعوت کا حکم ہے۔ اس کے لیے حکمت اور موعظہ حسنے کے ساتھ 'جدال احسن' کا طریقہ تجویز کیا گیا ہے۔ 'حکمت' یہ ہے کہ عقلی دلائل کے ذریعے اللہ کے راستے کی دین کی دعوت دی جائے۔ موعظہ حسنے میں تذکیر اور وعظ و نصیحت کا پہلو ہے۔ 'جدال' یعنی طریقہ احسن یہ ہے کہ بہتر طریقے سے گفتگو ہو، شکوک و شبہات رفع کیے جائیں اور اس کے موقف کو بہتر طریقے سے سمجھا جائے۔

مشرکین عرب سے اسلام کا اختلاف بنیادی عقائد میں تھا۔ اسلام تو حید کا علم بردار ہے۔ کائنات اور انسان کے بارے میں اس کا نقطہ نظر اسی عقیدہ توحید سے نکلتا ہے۔ مشرکین عرب کے ہاں خدا کا تصور تھا، لیکن وہ آسودہ شرک تھا۔ وہ اسلام کے تصور تو حید کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اسلام وحی و رسالت کا قائل ہے، مشرکین کے لیے یہ تصور اجنبی سا ہو کر رہ گیا تھا، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ماننے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ آخرت اور جزاے عمل کا ہے، لیکن وہ حیات بعد الموت کو کسی طرح قبول نہیں کر رہے تھے اور

خدا کے قانون عدل کے مقابلے میں انھیں اپنے معبدوں ان باطل کی سفارش پر تکمیل تھا۔

اس ماحول میں اسلام نے شرک کی ہر پہلو سے تردید کی اور غایبت کیا کہ اس کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے۔ یہ انسان کی عقل اور اس کی نفیات کے خلاف ہے۔ اس کے نتائج دنیا میں بھی تباہ کرن ہیں اور آخرت میں بھی ہلاکت کا باعث ہوں گے۔ مشرکین عرب سے اس نے جس طرح گفتگو کی اس کی ایک چھوٹی سی مثال یہاں پیش کی جا رہی ہے:

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرُكَاءُ مُتَشَكِّسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ طَهِّيرًا هَلْ يَسْتَوِيُنَ مَثَلًا طَالِحًا حَمْدَ اللَّهِ بِلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ^۵ (الزمر: ۳۹)

اللہ ایک مثال دیتا ہے۔ ایک شخص تو وہ ہے جس کے مالک ہونے میں بہت سے کچھ خلق آقا شریک ہیں جو اسے اپنی طرف کھینچتے ہیں اور دوسرا شخص پورا کا پورا ایک ہی آقا کاغلام ہے۔ کیا ان دونوں کا حال یکساں ہو سکتا ہے؟۔۔۔ الحمد للہ، مگر اکثر لوگ نادانی میں پڑے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید نے اپنے موقف پر تاریخ سے استدلال کیا۔ اس نے کہا: دنیا میں اللہ تعالیٰ کے جتنے رسول آئے سب نے توحید کی تعلیم دی اور شرک کی تردید کی، رسالت اور آخرت پر ایمان کی دعوت دی، اس کے انکار کے نتائج سے آگاہ کیا۔ مشرک قوموں نے ان کی سخت مخالفت کی اور ان کے ساتھ بدترین سلوک کیا، لیکن انہوں نے صبر و ثبات کے ساتھ اسے برداشت کیا۔ اللہ کے ان رسولوں کی اس سلسلے میں اپنی قوموں اور ان کے سرداروں سے جو گفتگو میں ہوئیں اور جو مباحثے اور مکالمے ہوئے وہ بھی اس نے تفصیل سے پیش کیے۔ یہ مباحثہ جدال احسن کا بہترین نمونہ ہیں۔ یہ تلاش حقیقت کے لیے نہیں، بلکہ اثبات حق کے لیے تھے۔

مشرکین عرب کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسلی تعلق تھا۔ حضرت ابراہیم کی اولاد اور خانہ کعبہ کے محافظہ ہونے کی وجہ سے سارے عرب میں ان کو عزت اور وقار حاصل تھا۔ قرآن مجید نے بتایا کہ حضرت ابراہیم توحید کے علم بردار تھے، اسی کی دعوت لے کر وہ اٹھے تھے۔ ان کی مشرک قوم نے ان کی بدترین مخالفت کی اور بکتی آگ میں انھیں ڈال دیا، لیکن اللہ نے انھیں صحیح سالم نکال لیا۔ انہوں نے اپنے وطن سے ہجرت کی اور مکہ میں خانہ کعبہ کی تعمیر کی، اسے اللہ واحد کی عبادت کا

مرکز قرار دیا، جسے تم نے بت خانہ بنارکھا ہے۔ تم ان کی اولاد ہو، پھر بھی دعوتِ توحید کی مخالفت کر رہے ہو۔ حضرت ابراہیم نے وقت کے باڈشاہ، اپنے باپ اور اپنی قوم سے جو فتنگویا مبارٹے کیے، قرآن مجید نے اسے بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس طرح اس 'جدالِ احسن' کی راہ دکھائی ہے جس کی اس نے اجازت دی ہے۔

قرآن مجید نے اہل کتاب سے بھی 'مجادله' (بحث و مباحثہ) کی اجازت دی ہے۔ اس کے لیے بھی وہی شرط رکھی ہے جو شرکیں سے 'مجادله' کے لیے ہے کہ یہ مجادله یہ طریق احسن، ہونا چاہیے:

وَ لَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالْتِيْ هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ
وَ قُولُوا امَّنَا بِاللَّذِيْ أَنْزَلَ إِلَيْنَا وَ أَنْزَلَ إِلَيْكُمْ وَ إِلَهُنَا وَ إِلَهُكُمْ وَاحِدٌ وَ
نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ (العنکبوت ۲۹:۴۲)

تم اہل کتاب سے مجادله نہ کرو، مگر مہذب طریقے سے، لیکن ان میں سے ظلم کی راہ اختیار کریں ان سے بحث سے اجتناب کرو اور کہو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں ان (تعلیمات) پر جو ہم پر نازل ہوئی ہیں اور ان پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں۔ ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے، ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔ اہل کتاب اصولی طور پر توحید، وحی و رسالت، آخرت اور دہان کی جزا و سزا کے قائل تھے۔ اس سلسلے میں ان کے اور مسلمانوں کے عقائد میں اشتراک تھا، لیکن ایک دوسرے پہلو سے ان کے درمیان فرق پایا جاتا تھا۔ وہ توحید کے قائل ہونے کے باوجود گرفتاری شرک ہو گئے تھے۔ وحی و رسالت پر ایمان کے دعویٰ کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم نہیں کر رہے تھے۔

اس آیت میں اہل کتاب سے مجادلے کی اجازت کے ساتھ اس کی بنیادیں بھی فراہم کر دی گئی ہیں۔ وہ بنیادیں ہیں اللہ کے تمام رسولوں اور ان کی تعلیمات پر ایمان۔ اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپؐ کی تعلیمات بھی شامل ہیں۔ مسلمانوں کا یہی موقف ہے کہ وہ تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، ان کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اسی طرح تمہارا اور ہمارا خدا ایک ہی ہے، اس لیے اس کے احکام کی اطاعت ہم سب کے لیے لازم ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم اس کے مطیع فرمان ہیں۔ اس کے ہر حکم کو دل و جان سے قبول کرتے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس میں اس بات کی ہدایت بھی ہے کہ اگر وہ اس کے لیے آمادہ نہیں ہیں تو تم اپنے ایمان و اسلام

کا اعلان کر کے الگ ہو جاؤ۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیثاق بنی اسرائیل کا ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا تھا کہ وہ اللہ واحد کی عبادت کریں گے، ان کی زندگیوں میں نماز اور زکوٰۃ کا اہتمام ہوگا، اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں گے، والدین، رشتہ داروں اور معاشرے کے کم زور افراد، تیبیوں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کریں گے (اعلیٰ اخلاق کا ثبوت دیں گے)۔ نگلوں میں بذبانی اور تلخ کلامی کا مظاہرہ نہ کریں گے (کسی کی دل آزاری نہ کریں گے)۔ ناچ کسی کا خون نہیں بھائیں گے، کسی کو اس کے گھر سے بے گھر نہیں کریں گے، اللہ کے رسولوں پر ایمان لا میں گے اور ان کی نصرت و حمایت کریں گے۔ (البقرہ ۸۳:۲، ۸۳:۴، المائدہ ۵:۱۲)

قرآن مجید نے بتایا کہ بنی اسرائیل نے اس عہد و پیمان کی پابندی نہیں کی۔ قدم قدم پر اس کی مخالفت کرتے رہے۔ اس عہد کا لازمی تقاضا تھا کہ وہ اللہ کے رسولوں پر ایمان لاتے، مگر انہوں نے ان میں سے چند ایک کو مانا اور دوسروں کو ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کے ہاتھ بعض رسولوں کے قتل تک سے رنگیں رہے ہیں۔ (آل عمران ۱۸۱:۳، ۱۸۲:۱۸۱۔ النساء ۳:۱۵۷)

ان سے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی نصرت و حمایت کا بھی عہد لیا گیا تھا، لیکن انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنے پیغمبروں کے علاوہ کسی دوسرے پیغمبر کو نہیں مانیں گے۔ یہی نہیں، آپ سے عداوت ان کے سینوں میں پرورش پاتی رہی اور انہوں نے آپ کی مخالفت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ (البقرہ ۳:۸۱، آل عمران ۳:۹۱)

یہود و نصاریٰ حضرت ابراہیم کو اپنا پیشووا اور مقتدیٰ مانتے اور ان سے اپنا دینی رشتہ جوڑتے تھے۔ قرآن مجید نے بہت تفصیل سے حضرت ابراہیم کی تعلیم پیش کی اور بتایا کہ وہ "مسلم حنفی" تھے اور ہر طرف سے کٹ کر اللہ واحد کی عبادت کرتے تھے۔ ان کی زندگی ہر شاہراہ شرک سے پاک تھی۔ وہ خدا سے واحد کی عبادت و اطاعت کا پیغام لے کر اٹھے تھے اور زندگی بھرا سی کے لیے جدوجہد کی اور بے مثال قربانیاں دیں۔ آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی دعوت کو لے کر اٹھے ہیں، اس لیے وہ ان کے قریب ہیں۔ حضرت ابراہیم سے تمہارا تعلق روایتی اور ان کا تعلق حقیقی ہے:

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَ لَا نَصْرَانِيًّا وَ لِكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا طَ وَمَا

کَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لِلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَ هَذَا
الشَّيْءُ وَ الَّذِينَ آمَنُوا طَ وَ اللَّهُ وَلِيُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (آل عمرن: ۳-۲۷)

ابراهیم نہ یہودی تھا نہ عیسائی، بلکہ وہ تو ایک مسلم یکسو تھا اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ
تھا۔ ابراهیم سے نسبت رکھنے کا سب سے زیادہ حق اگر کسی کو پہنچتا ہے تو ان لوگوں کو
پہنچتا ہے جنہوں نے اس کی پیروی کی اور اب یہ نبی اور اس کے ماننے والے اس
نسبت کے زیادہ حق دار ہیں۔ اللہ صرف انھی کا حامی و مددگار ہے جو ایمان رکھتے ہوں۔

مذبھی رواداری کا غلط تصور

اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جو لوگ آسمانی مذاہب کے ماننے والے ہیں انھیں ان
کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے اور ان کے تقاضوں کی طرف انھیں توجہ دلائی جائے اور
دین حق ان پر واضح کیا ہے۔ یہ قرآنی طریقہ ہے۔ اس سے دعوت کی راپیں کھلتی ہیں۔ اسی پس منظر
میں حسب ذیل آیت کو بھی دیکھنا چاہیے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَبِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ إِنَّا نَعْبُدُ إِلَّا اللَّهُ
وَ لَا شُرْكَ لِهِ شَيْئًا وَ لَا يَتَّخِذُ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ طَفَانٌ
تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِإِنَّا مُسْلِمُونَ ۝ (آل عمرن: ۳-۲۲)

اے اہل کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں
ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں،
اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنارب نہ بنالے۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے
اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی و اطاعت
کرنے والے) ہیں۔

اس آیت کو اس بات کی دلیل سمجھا جاتا ہے کہ مذاہب کے درمیان جو اقدار مشترک ہیں
ان کی دعوت دی جائے۔ بناءً اختلاف سے تعریض نہ کیا جائے، ہر ایک کو اس کے طریقہ پر عمل کی
اجازت ہو، اس کے درست یا نادرست ہونے سے بحث نہ کی جائے۔ اسے مذاہب کے سلسلے میں
’رواداری‘ یا عدم تعصّب جو بھی کہا جائے، اسلامی نظر نہیں کہا جا سکتا۔ یہ اس سلسلے کی اسلامی

تعلیمات اور اس کے دعویٰ مشن کے خلاف ہے۔ اس سے قطع نظر خود آیت سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اس میں اہل کتاب کے غلط طرز عمل پر تقدیم کی گئی ہے اور انھیں اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔ اس میں اہل کتاب کو 'کلمہ سوا' کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ 'کلمہ سوا' تو حید ہے، جو اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان مشترک ہے اور جو تمام مذہبی کتابوں کی بنیاد ہے۔ لیکن تو حید کے قائل ہوتے ہوئے بھی یہود نے حضرت عزیز کو ابن اللہ قرار دیا۔ ہو سکتا ہے ان میں سے ایک طبقے کا یہ عقیدہ ہو، لیکن یہود نے اس سے اپنی برآٹ ظاہر نہیں کی۔ اسی طرح نصاریٰ نے متیث کی راہ اختیار کی، جو تو حید کے سراسر خلاف ہے۔

تو حید کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ خداے واحد کی عبادت ہو اور کسی دوسرے کو خدائی کا مقام نہ دیا جائے، جب تمھیں اس سے انکار نہیں ہے تو تمھاری عبادت شرک سے پاک ہونی چاہیے۔

اللہ واحد پر ایمان کے بعد اس کا کوئی جواہر نہیں ہے کہ کسی دوسرے کو اپنارب اور فرمائ روا تسلیم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ قانون دینے والا ہے اور اسی کے قانون کو بالادستی حاصل ہے، لیکن تم نے اپنے احبار و رہبان کو قانون سازی کا حق دے رکھا ہے۔ وہ جس چیز کو حلال کہیں وہ تمھارے نزدیک حلال ہے اور جسے حرام قرار دیں وہ تمھارے لیے حرام ہے۔ اس طرح تم نے احبار و رہبان کو ارباب کا مقام دے رکھا ہے (التوبہ ۳۱:۹) اپنے اس غلط رویتے کو ترک کر کے تمھیں خداے واحد کے احکام کی اتباع کرنی چاہیے۔ اگر تم اس کے لیے تیار نہیں ہو تو گواہ رہو کہ ہم اللہ کے فرمان بردار اور اس کے احکام کے تابع ہیں۔ یہ درحقیقت اسلام کی دعوت ہے۔ ہرقل (شاہ روم) کو آپ نے جو مکتب اسلام کی دعوت قبول کرنے کے لیے لکھا تھا اس میں اسی آیت کا حوالہ تھا۔ (قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ج ۲، جزء ۲، ص ۲۸)

بامی تعاون کا دائرة

حقیقت یہ ہے کہ مذاہب کے اختلافات فروعی نہیں اصولی ہیں، انھیں ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لیے کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی، لیکن اس کے باوجود بعض سماجی اور اجتماعی مسائل کے حل کے لیے اہل مذاہب ہی نہیں، بلکہ تمام سماجی اور سیاسی گروہ مل جل کر کوشش کر سکتے ہیں۔ آج دنیا کے بیش تر ممالک میں مخلوط آبادیاں ہیں۔ ان کے درمیان مذہبی عقاائد، مادی

اوکار و نظریات، تہذیب و معاشرت کا اختلاف ہے اور کہیں مادری زبان کا فرق بھی پایا جاتا ہے۔ اس کے باوجود وہ ایک تکشیری سماج کا حصہ ہیں۔ اس پہلو سے ان کے مشترک مسائل بھی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی ضرورت ہے کہ ملک میں امن و امان ہو، فکر و عمل کی آزادی ہو، ملک کی فلاج و بہود اور ترقی کے لیے کام کے موقع حاصل ہوں، انسانی حقوق کی پامالی نہ ہو، عدل و انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں، سب کے ساتھ مساوی سلوک کیا جائے، غربت اور جہالت ختم ہو، طبی سہولتیں حاصل ہوں، صفائی س्थارائی کا اہتمام ہو اور فضائی آلودگی پر قابو پایا جائے۔ اس نوعیت کے اور بھی مسائل ہو سکتے ہیں۔ اس طرح کے مسائل پر قابو پانے کے لیے معاشرے میں بیداری لانے، ان کے حق میں فضایا بانا نے اور بسا اوقات قانونی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ان مسائل کا تعلق حکومت بے بھی ہے، اس کے لیے اسے متوجہ کرنا اور اس پر اثر انداز ہونا پڑتا ہے، اس کے لیے تکشیری معاشرے مشترک کے جدوجہد کا تقاضا کرتے ہیں۔ اسی سے بہتر نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے۔ موجودہ مادہ پرست تہذیب نے اباحت کو اس قدر فروغ دیا ہے کہ انسان اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے کوئی بھی بندش گوارانیں کرنا چاہتا۔ ہر طرف بے حیائی اور عریانی کی فضائے، بدکاری عام ہو رہی ہے اور نشر آور چیزوں کا استعمال بڑھ رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں خاندان انتشار اور بتاہی کا شکار ہو رہے ہیں اور طرح طرح کے امراض پھیل رہے ہیں۔ دنیا کا کوئی بھی مذہب بے حیائی، زنا اور نشیات کے استعمال کو صحیح نہیں سمجھتا۔ اس کے خاتمے کے لیے مشترک کوشش ہونی چاہیے۔

مذاہب کے درمیان ایک قدر مشترک اخلاقیات ہے۔ صداقت اور راست گوئی، عفت و عصمت، دیانت و امانت، باہم الفت و محبت، رشتتوں کا احترام، غریبوں، ناداروں، مریضوں اور معدزوں کے ساتھ ہم دردی اور ان کی خبر گیری، تعصب اور نفرت سے اجتناب، کسی کے حق پر دست درازی اور ظلم و زیادتی کا خاتمہ، اس طرح کی اخلاقیات کی اہمیت تمام مذاہب تسلیم کرتے ہیں اور ان کے مخالف روئیے کو صحیح نہیں سمجھتے۔ اس کے لیے کہیں کہیں کوشش بھی ہوتی ہے۔ اسلام معاشرے میں اخلاق کو فروغ دینا چاہتا ہے، اس کے لیے اس کا اپنا ایک طریقہ اور لائحة عمل بھی ہے، لیکن اس کے ساتھ اخلاق کو عام کرنے کی جو کوشش ہو اس میں وہ اپنے اصول کے تحت شریک ہو سکتا ہے اور اس کے لیے مشترک کے جدوجہد بھی کر سکتا ہے۔